ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مقبولِ عام اردو ادب: نشر و اشاعت کے ذرائع

POPULAR URDU LITERATURE: SOURCES OF PROMOTION AND PUBLICATIONS

***الطاف حسین**

پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

****ڈاکٹر خالد امین**

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

ABSTRACT

Different sources were used in different eras for the promotion and publication of popular Urdu literature. In ancient times, popular Urdu literature used to reach the masses through storytelling (dastan goee) , old indian stage drama types like notaki, rahas, naqali, sports spectacles and religious and social events. The practice of these social promotions of literature remained common for a long time even after the availability of paper and in view of the interest and tastes of the people, they continued to change from generation to generation. Tales were presented in the form of prose as well as poetry likely in genre of masnawi. Islamic ideological trends began to gain momentum in religious ceremonies and genres such as Hamd o Naat and Qawwali gained popularity in the gatherings of Soofia. Notanki, rahas and other old social drama types took the form of stage plays. In the early period of print media, the religious magazines of Soofia, the Masnavis and collections of poets gained popularity at the public level. During the rule of the British government, the broadcasting and publication of Urdu literature along with other sciences also accelerated. The series of publishing of old fiction, poetry collections, novels, short stories and other new genres of literature etc also started, which received great acceptance among the public. Its demand was increasing day by day. In the same era, the practice of broadcasting of popular Urdu literature through film, radio and later television became common, which is still ongoing. Nowadays, the Internet is also an important source of promotion and publishing of popular Urdu literature, where popular Urdu literature is brought to the public through numerous websites and social media platforms.

Keywords: *Popular Literature, Promotions, Publications, Masses, stage drama, film, radio, television, internet, social media, broadcasting, social media, websites.*

مقبولِ عام اردو ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے مختلف زمانوں میں مختلف ذرائع کا استعمال کیا جاتا رہا۔ قدیم زمانوں میں داستان گوئی، رہس، نوٹنکی، کھیل تماشوں اور مذہبی و سماجی تقریبات کے ذریعے سے مقبولِ عام اردو ادب عوام الناس تک پہنچتا رہتا۔ ان سماجی ذرائع کا رواج کاغذ کی دستیابی کے بعد بھی تا دیر عام رہا اور عوام الناس کی دل چسپی اور ذوق و شوق کے پیشِ نظر ان میں عہد بہ عہد تبدیلیاں آتی رہیں۔ قصے کہانیوں کو نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی صورت میں بھی پیش کیا جانے لگا۔ مذہبی تقریبات میں اسلامی نظریاتی رجحانات کو فروغ حاصل ہونے لگا اور صوفیا کی محفلوں میں حمد و نعت اور قوالی جیسی اصناف نے شہرت حاصل کی۔ نوٹنکی، رہس اور کھیل تماشوں نے اسٹیج ڈراموں کا روپ دھار لیا۔

اشاعتی ذرائع کے ابتدائی عہد میں صوفیا کے مذہبی رسالوں، مثنویوں اور غزل گو شعرا کے دواوین کو عوامی سطح پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ انگریز حکومت کی عملداری میں دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی نشر و اشاعت میں بھی تیزی آئی۔ داستانوں، غزلیہ دواوین اور نئی اصنافِ ادب ناول، افسانہ وغیرہ کی اشاعت کا سلسلہ بھی چل نکلا جسے عوام الناس میں بے حد پذیرائی ملی۔ بیسویں صدی میں مطابع کے علاوہ اخبارات و رسائل میں بھی مقبولِ عام اردو ادب کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کی مانگ میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہا۔ اسی عہد میں فلم، ریڈیو اور بعد ازاں ٹیلی ویژن کے ذریعے سے مقبولِ عام اردو ادب کی نشریات کا رواج عام ہوا جو ہنوز جاری ہے۔ عصرِ حاضر میں انٹر نیٹ بھی مقبولِ عام اردو ادب کی ترویج و ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے جہاں بے شمار ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے مقبولِ عام اردو ادب کو عوام الناس تک پہنچایا جاتا ہے۔

مقبول عام اردو ادب کے مختلف زمانوں میں نشر و اشاعت کے لیے مختلف ذرائع کا سہارا لیا، قدیم زمانے کے تہذیبی ذرائع جیسے داستان گوئی کی روایت، سماع کی محفلیں، مشاعرے، مذہبی و گھریلو تقریبات، بازار ہاٹ کی محافل اور کھیل تماشوں کے ذریعے سے مقبولِ عام اردو ادب کی ترویج کا فریضہ سر انجام دیا جاتا رہا۔ گھریلو اور بازار ہاٹ کی محفلوں میں سینہ بہ سینہ پہنچنے والے ادبی سرمائے کو لوک اردو ادب بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان بھر کے مختلف علاقوں میں اس کی مختلف تاریخی صورتیں ہیں۔ کاغذ اور چھاپہ خانہ کہ سہولتوں کی دستیابی کے بعد مقبولِ عام اردو ادب کتابی صورت میں محفوظ کیا جانے لگا اور قدیم ادبی سرمائے کو بھی لوگوں نے اپنی یادداشتوں سے کاغذ پر منتقل کرنا شروع کیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جس سے نظم ونثر کی مختلف اصناف پر مبنی ادب کا تاریخی ذخیرہ بھی اردو ادب کا حصہ بنا۔ اردو ادب کی ترویج واشاعت کے تہذیبی ذرائع میں سب سے زیادہ مضبوط اور اہم روایت مشاعرے کی رہی۔ مشاعرہ ہر زمانے میں پوری آب و تاب سے زندہ رہالیکن داستان گوئی اور دیگر ذرائع کی چمک دمک جدید ذرائع ابلاغ کی فراوانی کے بعد ماند پڑ گئی۔ سماع کی محفلوں اور مذہبی تقریبات کارواج تو آج بھی زندہ ہے لیکن ادبی حوالے سے ان کی اہمیت وافادیت اب نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح گھریلو تقریبات کے سلسلے میں بھی اب جدت پیدا ہو گئی ہے اور ادبی حوالے سے ان کی اہمیت بھی گھٹ گئی ہے۔

اردو ادب کے محققین کا ماننا ہے کہ ہندوستانی ڈراما کے ابتدائی آثار ویدوں میں ملتے ہیں۔ ہندو سماج میں ڈراما کو مذہبی رسم کی حیثیت حاصل رہی ہے یہی وجہ ہے کہ نوٹنکی ہو بہروپ ہو رہس ہو یا تماشا ہر رنگ میں عوام الناس کا پسندیدہ شغل اور روزمرہ زندگی کا جصہ رہا ہے۔ قدیم ویدوں کے زمانے میں اس کی صورت آج کے ڈراما جیسی نہیں ہو گی لیکن یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈراما، نوٹنکی، رہس، بہروپ اور ناٹیہ مندر وغیرہ کی صورت میں خالص ہندوستانی صنفِ ادب رہا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح بدھ مت اور جین مت کے ترویجی زمانے میں بھی رقص وموسیقی اور ڈرامائی کھیل تماشوں کارواج عام رہا، بعد ازاں پراکرتوں میں موجود ڈراموں اور سنسکرت ڈراموں کے وجود سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی نہ کسی صورت جاری رہا سنسکرتی عہد میں باقاعدہ ڈراما کے قواعد وضوابط وضع کیے گئے۔ ڈراما کے فن پر لکھی گئی پہلی کتاب ناٹیہ شاستر ہے جو کہ سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہے، اس کے علاوہ وش روپک ، لکش کوش اور ساہتیہ درپن بھی ڈراما کے فن پر لکھی گئی قدیم کتب ہیں۔ لیکن سنسکرت زبان کی طرح ڈراموں کو بھی عوامی سطح پر پیش نہیں کیے جاتے، یہ راجاؤں مہاراجاؤں کے محلوں تک محدود رہے اسی لیے سنسکرت دور کے ڈرامے کم یاب ہیں۔ قدیم عہد میں ہندوستانی ڈراما لوک صورت میں گلی محلوں، بازاروں، تہواروں اور گھریلو تقریبات میں بھی نمو پاتا رہا۔ مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے بعد یہاں ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز ہوا، اس نئی مسلم تہذیب میں ڈراما کے فن کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہو سکی، اس لیے اس عہد میں ڈراما عوام میں تک ہی محدود رہا۔ انیسویں صدی کے نصف میں مسلم حکمران واجد علی شاہ کے ہاتھوں اردو ڈراما کا آغاز ہوا۔ اردو کا اسٹیج ڈراما اپنے ابتدائی عہد میں ہر خاص وعام میں مقبول رہا اسٹیج ڈراما کی باقاعدہ ابتدا واجد علی شاہ کے رادھا کنہیا سے ہوئی اور امانت کے اندر سبھا کی پیشکش کے بعد عوامی مقبولیت حاصل کر گیا، عوامی سطح پر کھیلا جانے والے امانت کے ڈرامے اندر سبھا کے بارے میں مسعود حسن رضوی نے لکھا ہے۔

> اندر سبھا اردو کا پہلا ڈراما نہیں ہے لیکن اس سے اس کی تاریخی اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ وہ اردو کا پہلا ڈراما ہے جو عوامی اسٹیج کے لیے لکھا اور کھیلا گیا۔ وہ پہلا ڈراما ہے جس کو عام مقبولیت نے ملک میں شہر شہر اور اودھ میں گاؤں گاؤں پہنچا دیا۔ وہ اردو کا پہلا ڈراما ہے جو چھپ کر منظرِ عام پر آیا اور سینکڑوں مرتبہ شائع ہوا۔ وہ اردو کا پہلا ڈراما ہے جو ناگری، گجراتی اور مرہٹی خطوں میں بھی چھاپا گیا اور اس کا ترجمہ جرمن زبان میں بھی ہوا۔[1]

اندر سبھا جب کھیلا گیا تو عوام الناس نے اسے بے حد پسند کیا اور جلد ہی اس کی شہرت ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل گئی، شہر شہر گاؤں گاؤں اس کی میں اس کی دھوم مچی، اور یہ نام اس قدر مشہور ہوا کہ اسٹیج منڈلیوں کے نام کے ساتھ اندر سبھا لکھا جاتا جیسے حافظ کی اندر سبھا، جواہر کی اندر سبھا، وغیرہ۔ اس ڈرامے کے کئی کردار اور فعل تلمیہات میں داخل ہو گئے اور لکھنؤ میں عام رسم ورواج جیسے شادی بیاہ کے موقع پر تخت سجا کر اس میں اندر سبھا کے فرضی کردار بٹھا دیے جاتے۔ مزید برآں اندر سبھا کے طرز پر کئی ناٹک لکھے گئے جن میں اس کا کلی یا جزوی تتبع کیا گیا، جن میں سب سے زیادہ مقبولیت مداری لال کی اندر سبھا اور محمد اشرف علی کی ناگر سبھا کو حاصل ہوئی۔ پارسیوں نے جب تھیریٹکل کمپنیاں بنائیں تو اردو ڈراما میں جدت اور ترقی میں تیزی آنے لگی، ابتدا میں اندر سبھا اور دیگر مشہور مثنویوں پر ڈرامے تیار کیے جاتے رہے۔ پارسی تاجروں نے تھیٹر بنا کر اردو ڈراما کو تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا آغاز کیا، ان تھیٹروں میں تماش بینوں سے باقاعدہ ٹکٹ لی جاتی تھی۔ ان ڈراموں کی پیشکش کا طریقہ کار مغربی ہوتا لیکن موسیقی کی زبان، پلاٹ اور دیگر عناصر مشرقی اور عوامی نوعیت کے ہوتے۔ رادھا کہنیا اور اندر سبھا سے لے کر آغا حشر کاشمیری کے عہد تک اردو ڈراما عوامی روایات اور مذاق کا نمائندہ رہا ہے۔ ڈراما نگاروں نے تجارتی مقاصد کے تحت عوامی ذوق وشوق کو مدِ نظر رکھ کر ڈرامے لکھے۔ پیشکش کے مغربی طرز کے ساتھ انگریزی اور خصوصی طور پر شیکسپیر کے ڈراموں کے بے شمار تراجم کیے گئے۔ حباب، ظریف، احسن، طالب، بے تاب اور آغا حشر کے ترجمہ کردہ ڈراموں میں مغربی اسلوب کی پیروی بھی نظر آتی ہے اور مشرقی معاشرے کی جھلک بھی۔ ان ڈراموں میں مکالموں کے علاوہ رقص وموسیقی، گیت، ترانے، ٹھمریاں اور غزلیں وغیرہ بھی شامل ہوتیں جس سے ڈراما میں لوگوں کی دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔ اس عہد کے اسٹیج ڈراموں میں جو زبان استعمال کی جاتی وہ گلی کوچوں، محلوں، بازاروں میں بولی جانے والی عام آدمی کی زبان تھی۔ یہ ڈرامے کسی خاص طبقے کے لیے نہیں بنائے جاتے بلکہ ان کو ہر خاص وعام دیکھ سکتا تھا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اس زمانے میں عوامی سطح پر ڈرامے پیش کرنے والی مشہور تھیٹریکل کمپنیوں میں اوریجنل تھیٹریکل کمپنی، وکٹوریہ ناٹک کمپنی، الفریڈ تھیٹریکل کمپنی، نیو الفریڈ تھیٹریکل کمپنی، اولڈ پارسی تھیٹریکل کمپنی، جوبلی تھیٹریکل کمپنی اور بے شمار ایسی کمپنیاں شامل تھیں جو زیادہ دیر چل نہ سکیں، تھیٹریکل کمپنیوں کا جال ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں پھیلا۔

داستان گوئی کی روایت عالمی سطح پر انسانی تہذیب ہی کی پروردہ رہی ہے۔ گھروں میں دادا دادی، نانا نانی اور ماں کی زبانی بچے میٹھی میٹھی کہانیاں سنتے۔ گلی محلوں، مذہبی و نجی محفلوں، درباروں اور بازار ہاٹ میں داستان گو اور علماجنوں پریوں، دیوی دیوتاؤں، بادشاہوں اور سورماؤں کی حیرت انگیز کہانیاں سناتے اور دادِ تحسین حاصل کرتے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل بھی لوک کتھاؤں اور قصہ کہانیوں کا رواج عام تھا لیکن فارسی اور عربی زبان کے وسیلے سے داستان گوئی کی روایت نے باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کر لی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ گلی گلی اس کی گونج سنائی دینے لگی۔ داستان گو کو صاحبِ کمال اور بلند مرتبہ عالم کا رتبہ حاصل ہوا اور سرکار میں باقاعدہ داستان گو ملازمت پانے لگے۔ اردو داستانوں میں عشقیہ مضامین کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشواؤں کی کہانیاں اور بادشاہوں اور شہزادوں کی مہمات کے قصے بھی مقبول و معروف رہے۔ بادشاہ یا شہزادے کا شکار، سفر یا کسی مہم پر نکل پڑنا اور مشکلات و مصائب سے دوچار ہونے کے بعد کامران و کامیاب واپس لوٹ آنا ایسے قصوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ قدیم داستانوں میں آدم زاد، دیوزاد، جن زاد اور دوسری عجیب و غریب مخلوقات کے تال میل سے کہانی کا پلاٹ ترتیب دیا جاتا اور اس میں تخیل کی جولانیوں کا آزادانہ استعمال کیا جاتا۔ کسی مسئلے کے حل کے لیے کوئی بھی غیر مرئی قوت سہارا بن جاتی اور مسئلے کو حل کر دیتی۔ اردو کی اہم داستانیں الف لیلہ، داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال وغیرہ بھی باعت سے قبل کسی نہ کسی طور سمعی صورت میں بھی مقبول رہیں۔ میر امن لکھتے ہیں۔

> جو صاحب دانا اور ہندوستان کی زبان بولنے والے ہیں، ان کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ قصہ چہار درویش کا ابتداء میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیاءزری زر بخش، جو ان کے پیر تھے اور درگاہ ان کی دلی میں قلعے سے تین کوس، لال دروازے کے باہر، مٹیا دروازے سے آگے، لال بنگلے کے پاس ہے، ان کی طبیعت ماندی ہوئی۔ تب مرشد کا دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے۔ اللہ نے چند روز میں شفا دی۔ تب انہوں نے غسلِ صحت کے دن یہ دُعا دی کہ جو کوئی اس قصے سنے گا، خدا کے فضل سے تن درست رہے گا۔ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروّج ہوا۔[۲]

میر امن کا یہ بیان مبالغہ پر مبنی ہی سہی لیکن اس سے اتنا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قصہ چہار درویش سمعی صورت میں بھی ہندوستان میں مقبول رہی ہوگی اور درباروں اور نجی محافل میں سنائی جاتی رہی ہوگی۔ اردو کی ایک اور طویل اور مقبول عام داستان بوستانِ خیال ہے جس کے مصنف محمد تقی خیال نے اسے تحریر میں لاتے ہوئے لوگوں کی سماعتوں کی نذر بھی کیا۔

> بوستانِ خیال کی شانِ نزول یہ ہے کہ' میر تقی خیال متوطن گجرات گردشِ گردونِ دوں سے پریشانِ خاطر ہو کے عہدِ سلطنت میں محمد شاہ بادشاہ کے شہر دہلی میں وارد ہوئے۔ ان کی منظورِ نظر ایک رن مطربہ تھی۔ شب کو اکثر وہ ان سے قصص تازہ کی فرمائش کیا کرتی تھی۔ یہ بپاسِ خاطر اپنی محبوبہ کے، روز ایک قصہ تازہ اپنی طبیعت سے ایجاد کر کے سنا دیتے۔ ان کے مکان کے عقب میں کچھ لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور داستان امیر حمزہ کی بیان کی جاتی تھی۔ میر تقی بھی کبھی کبھی تفریحاً شریک جلسہ ہوتے تھے۔ ایک روز بعد ختمِ داستان اہلیانِ جلسہ نے داستانِ امیر حمزہ کی نہایت تعریف کی لیکن داستان گو نے میر تقی کو سنا کے کہا کہ جی ہاں داستان کے مرتب کرنے کے واسطے خداوندِ عالم قابلیت پیدا کرے تو ممکن ہے ورنہ تحصیلِ علوم و فنون سے اگر کوئی شخص داستان مرتب کرنا چاہے تو محال ہے۔ یہ بات میر تقی کو ناگوار معلوم ہوئی۔ کہا کیا کہتے ہو صاحبانِ علم و فضل کے روبرو ایسے خیالات کی کیا حقیقت۔ تھوڑے ہی عرصہ میں چند اجزاء کتاب کے مرتب کر کے اسی جلسہ میں گئے اور بعد ختمِ داستان امیر حمزہ اہلیانِ جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ چند اجزاء ایک قصہ تازہ کے دستیاب ہوئے ہیں اجازت ہو تو سناؤں، سب نے متفق اللفظ کہا، بسم اللہ ضرور پڑھیے۔ جب پڑھا تمام حاضرینِ جلسہ محو ہو گئے اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند تھی اور آپس میں کہتے تھے واقعی اس طرح کا قصہ آج تک نہیں سننے میں آیا۔[۳]

میر باقر علی داستان گو کے عہد کو اردو داستان گوئی کا عہدِ زرّیں کہا جاتا ہے اس عہد میں بچے، بڑے، بوڑھے اور خاص و عام سب ہی داستانوں کے دلدادہ تھے اور ہر جگہ داستان گوئی کی محفلوں کا رواج تھا۔ میر باقر علی کو داستان گوئی کا فن ورثے میں ملا تھا اس لیے اس لیے فنی محاسن کے لحاظ سے ان کی قصہ گوئی کو اردو داستان گوئی کی معراج کہا

جاسکتا ہے۔ میر باقر علی اپنی داستانوں میں کوئی بھی موضوع چھیڑتے تو ہو بہو نقشہ کھینچ دیتے۔ کیا میدانِ کارزار کیا بزمِ عیش و عشرت تمام تر جزئیات کا بیان اس تفصیل سے کرتے کہ لوگ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگ جاتے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بادشاہوں کا ذکر بادشاہ بن کر مقبروں کا ذکر فقیروں کی طرح اور بزر گوں کا ذکر بزرگ بن کر کیا کرتے۔ اکثر بوڑھے بوڑھیوں کا ذکر کرتے وقت بے دانتے بن جایا کرتے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی داستان گوئی کی کشش میں ان کی اداکاری کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ حیدر آباد، رام پور، لوہارو، پٹیالہ اور کشمیر کے امرا ان کی عزت اور آؤ بھگت کرتے تھے۔ آخری عمر میں بوجھلہ پہاڑی کی ایک عام سی بستی (جس کا نام سیّدوں کی گلی تھا) میں آکر رہے۔ یہاں بھی ان کی داستان گوئی کا ہفتہ وار سلسلہ جاری رہا۔ جو لوگ داستان سننے آتے وہ انہیں حسبِ توفیق حدیہ بھی پیش کر جاتے۔ اردو کے دیگر معروف داستان گویوں میں محمد تقی خیال، میر کاظم علی، محمد حسین جاہ، احمد حسین قمر اور شیخ تصدق حسین اہم ہیں۔ اردو کی سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی داستانوں اور ان کے داستان گویوں کے بارے میں معلومات ناکافی ہیں اس لیے قدیم عہد کے داستان گویوں کا تفصیلی احوال کہیں نہیں ملتا۔

اردو نظم میں مجلسی شاعری یا مشاعرے کی روایت کو عرب اور فارسی مجلسی شاعری کی روایت سے جوڑا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ابتدائی طور پر مشاعروں کا رواج شاہی درباروں سے پڑا۔ مغلوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے علاوہ ایران وافغان کے فارسی بان شعرا نے شاہی درباروں کے مشاعروں کے ذریعے سے درباروں میں قدر و منزلت حاصل کی۔ قادر الکلام شعرا کو درباروں میں ملازمت بھی عطا کر دی جاتی تھی۔ فارسی شاعری کے عروج کے زمانے میں امیر خسرو، شمس دبیر، قاضی اسیر، ابوالفتح گیلانی، عبد الرحیم خانِ خاناں، نظیری عرفی وغیرہ نے مشاعرے کی روایت کو ترقی دی۔ فارسی شاعری کے یہ مشاعرے درباری نوعیت کے ہوتے تھے لیکن اردو کے عوامی مشاعروں کی روایت کے سلسلے میں انہیں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو مشاعروں کی مقبولِ عام روایت کے نقوش ولی دکنی کے زمانے میں واضح ہونا شروع ہوئے۔ ولی کے دیوان کی آمد کے بعد دلی میں اردو غزل اور مشاعروں کی گرم بازاری کا آغاز ہوا اور فائز، آبرو، حاتم، مظہر جان جاناں وغیرہ نے اس تازہ روایت کو مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ابتدائی زمانے میں مشاعرے کو فراختہ، مطارحہ اور مجلسِ ریختہ جیسے ناموں سے موسوسم کیا جاتا رہا۔ خواجہ میر درد، میر تقی میر اور میر سجاد کے گھروں میں منعقد ہونے والی شعری مجالس نے مشاعرے کی روایت کو مقبولِ عام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

> عوامی مشاعرں میں سے کچھ کا حال تو پہلے آ چکا ہے۔ مثلاً خواجہ میر درد، میر تقی میر، عظیم الدین عرف بُھورے خاں آشفتہ، جعفر علی خاں ذکی، میر علی نقی کافر، میر سجاد سجاد کے گھروں پر منعقد ہونے والے مشاعرے۔ ان کے علاوہ مرزا اسد رفیق، میر نظام الدین ممنون، میر محمدی شرف، کریم الدین، غلام ہمدانی مصحفی، ثناءاللہ فراق، حافظ حلیم وغیرہ کے یہاں بھی مشاعروں کی مجلسیں جمتی تھیں۔ انہیں عوامی مشاعروں میں عام طور سے شعری معرکہ آرائیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ [۴]

قدیم عہد کے مشاعروں کی مقبولیت میں شاعروں کی آپسی چشمکوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ آتش و ناسخ، انشاء و مصحفی، انیس و دبیر، اور غالب و ذوق کی چشمکوں نے عوام و خواص میں خاصی شہرت پائی۔ ایسی مجلسوں میں شاعر اپنے حریف پر فقرے کستے اور ان کی غلطیاں نکالتے۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو اردو کے مشاعروں کی روایت بھی دو حصوں میں بٹی نظر آتی ہے، ایک درباری مشاعرے کی روایت اور دوسری عوامی مشاعروں کی روایت، آج بھی مقبولِ عام اور ادبِ عالیہ کے مشاعروں اور ادبی مجلسوں کا الگ الگ اہتمام ہوتا ہے۔ حالی اور آزاد نے انجمنِ پنجاب کے سائے تلے نظم کے مشاعروں کی بنا ڈالی لیکن یہ روایت زیادہ ترقی نہ کر سکی اور عوامی حلقوں میں اسے پذیرائی نہ مل سکی۔

جدید ذرائع ابلاغ کی آمد کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے مشاعروں کا سلسلہ بھی شروع ہوا لیکن ریڈیو اور ٹی وی کی حد تک مزاحیہ مشاعرے ہی عوامی سطح پر کامیاب رہے۔ سنجیدہ شعری مشاعروں کو ان ذرائع سے زیادہ فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ مابعد جدید عہد یعنی عصرِ حاضر میں میڈیا کی ترقی خصوصاً انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی سہولیات نے اردو مشاعرے کو عالمی ادبی جلسے کی صورت دے دی ہے۔ دنیا بھر میں اردو بولنے والے ان عالمی مشاعروں کو براہ راست اور انٹرنیٹ کے ذریعے سے دیکھتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پاک و ہند کے علاوہ دبئی، شارجہ اور دیگر ملکوں میں عالمی اردو مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا بھر سے نامور مقبولِ عام شعرا شرکت کرتے ہیں۔ ایسے مشاعروں کو آن لائن بھی دیکھا جاسکتا ہے اور یوٹیوب، فیس بک اور دیگر سماجی رابطوں کی ویب سائیٹس پر ان کی ریکارڈنگ بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ شعرا خود بھی اپنے اکاؤنٹس کے ذریعے مشاعروں میں پڑھے گئے کلام کی تشہیر کرتے ہیں۔ مذکورہ سماجی ویب سائیٹس پر آن لائن مشاعروں کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے اور تحریری مشاعرے بھی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

منعقد کیے جاتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے نوجوان شعرا نے اردو مشاعروں کو نئے رنگ و آہنگ میں رنگ دیا ہے، تہذیب حافی، عمیر نجمی، کمار وشواس، چراغ شرما اور دیگر نوجوان شعرا نے اردو مشاعرے کی تقریب کو کنسرٹ کی صورت دے دی ہے جس میں نوجوان طبقہ ایسے ہی ذوق و شوق سے شریک ہوتا ہے جیسے کسی میوزک کنسرٹ میں ہوتا ہے۔

کلاسیکی عہد میں ایسی مذہبی تقریبات کے انعقاد کا پتہ چلتا ہے جہاں حمد و نعت اور صوفیانہ افکار پر مبنی شاعری کو ترنم میں پڑھا جاتا تھا۔ صوفیا کرام کی محفلوں میں سماع کا رواج عرب و ایران میں بھی پایا جاتا تھا جہاں سے یہ سلسلہ صوفیا کے ساتھ ہندوستان میں آیا اور مقبولِ عام ہوا۔ امیر خسرو نے ہندوستانی سماع کی محفلوں میں راگ راگنیوں، قول اور طبلہ و ستار سے جدت پیدا کی۔ قوالی کی ہئیت امیر خسرو نے خصوصی طور پر اس طرح سے ترتیب دی کہ نہ راگوں کی لے میں کمی ہو نہ ہی نثری اقوال سے شعریت کا حسن متاثر ہو۔ ہندوستانی صوفیا کی سماع کی محفلوں میں نعتیہ اور حمدیہ کلام، اہل بیتؑ کی مدح، مرثیہ، نوحہ و سلام وغیرہ کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ سماع کی محفلوں کا سلسلہ خواجہ میر درد کے عہد تک صرف صوفی شعرا کے زیرِ اثر پروان چڑھتا رہا لیکن عہدِ متوسطہ اور بالخصوص عہدِ جدید اور عصرِ حاضر میں عام عوام میں بھی اس طرز کی محافل کے انعقاد کا ذوق پروان چڑھتا رہا ہے، آج کل نجی محفلوں، امام بارگاہوں اور مساجد میں بھی اس طرز کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مذہبی تقریبات کے سلسلے میں محرم الحرام کی مجالس بھی خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ نوحہ، مرثیہ، سلام جیسی اصناف ان مجالس کا خصوصی طور پر حصہ ہوتی ہیں جن کو تحت اللفظ اور ترنم کے ساتھ دونوں طریقوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ نوحہ عموماً غزل کی ہئیت میں لکھا جاتا ہے اور اس کو ایسے مخصوص ردھم میں پڑھا جاتا ہے جس سے سینہ زنی کی ترتیب بن سکے۔ سلام اور مرثیہ بھی عموماً سوز میں پڑھے جاتے ہیں اور ان میں اہل بیتؑ کی شان اور واقعہ کربلا کی مناسبت سے مصائب بیان کیے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں دکنی سلطنتوں کے فرمانرواؤں کے عہد میں مجالس اعزا کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ایرانی نژاد حکمرانوں کے زیرِ اثر ترقی پانے والی اس دکنی تہذیب میں محرم الحرام کی مجالس اور آل رسولؐ سے عقیدت و محبت کو ایمان کا لازمی جُز تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لیے یہاں کثرت سے امام باڑے تعمیر ہوئے۔ اُمرا کے محلات میں عاشورہ خانے بنائے جاتے جن میں مجالس کا اہتمام کیا جاتا۔ دکن کی ریاست گولکنڈہ کے حکمران قلی قطب شاہ نے دیگر اصنافِ ادب کے ساتھ مراثی بھی لکھے ان کے دیوان میں پانچ مرثیے شامل ہیں جو غزل کی ہئیت میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے عہد میں ملا وجہی اور غواصی نے بھی مرثیے کہے، بیجاپور کے حکمران علی عادل شاہ ثانی شاہی کی حدودِ سلطنت میں بھی متعدد شعرا نے مراثی لکھے ملک خوشنود، ہاشمی، ایاغی، نصرتی، مومن، حسینی اور مرزا اس عہد نے نامور مرثیہ گو شعرا تھے خود شاہی کے دیوان میں ۱۶ مرثیے شامل ہیں۔ دکن کے بعد مجالسِ محرم الحرام کا رواج ہندوستان کے دیگر صوبہ جات میں بھی پھیلتا گیا۔ لکھنؤ کو اس حوالے سے خصوصی امتیاز حاصل رہا کہ اردو ادب کے سب سے بڑے مرثیہ گو انیس و دبیر یہاں کے مرثیہ گو ہوئے۔ ان سے قبل ان کے بزرگوں خلیق، ضمیر، فصیح اور دیگر شعرا نے مرثیہ نگاری میں اہم خدمات سرانجام دیں۔ مختلف زمانوں میں مرثیہ خوانی کے مختلف طریقے رائج رہے شبلی کے اس بیان کے برعکس کہ "سب سے پہلے تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے کا رواج میر ضمیر نے ڈالا" نیّر مسعود نے میر ضمیر کی ایک سوانحی مثنوی "مظہر العجائب کے حوالے سے لکھا ہے کہ تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے کا رواج ان سے پہلے بھی موجود تھا لیکن میر ضمیر کے منفرد شعری اندازِ بیان سے مل کر اس میں ایک قسم کا نیا پن ایجاد ہوا جس سے ہر شخص متاثر ہوا۔ مجلسوں میں تحت اللفظ پڑھے جانے والے مرثیوں کے بھی الگ الگ انداز انداز تھے۔ ضمیر کے اندازِ بیان میں ڈرامائیت کا عنصر نمایاں تھا وہ ہاتھوں اور دیگر جسمانی اعضا کی جنبش سے مرثیہ میں تاثیر پیدا کرتے۔ لیکن خلیق صرف چہرے کے تاثرات اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے ہی ایسا اثر پیدا کرتے کہ صفِ ماتم بچھ جاتی۔

انیس و دبیر مرثیہ کو مجالس کی حدود سے نکال کر عوامی تقریبات اور مشاعروں تک لے آئے۔ نہ صرف یہ بلکہ شعری زبان میں نت نئے الفاظ اور اصنات و تراکیب کا اضافہ بھی کیا۔ اسی لیے ان نامی شعرا کو اردو کی شعری روایت میں بھی بلند مقام حاصل ہے۔ عصرِ حاضر میں پاکستان میں سندھ کے شہر کراچی میں سب سے زیادہ مجالسِ اعزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی امام باڑوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ محرم میں جگہ جگہ مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں جہاں سوز و سلام، نوحہ اور مرثیہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ دیگر صوبہ جات میں بھی مجالسِ محرم الحرانم کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں محسن نقوی نے منظوم مجالس پڑھنے کا رواج ڈالا جس میں کربلا کے مختلف واقعات کو منظوم انداز میں پڑھا جاتا ہے ان کا یہ انداز پاک و ہند میں بے حد مقبول ہوا۔ شوکت رضا شوکت کا نام بھی اس ضمن میں اہم ہے۔ مذہبی تقریبات میں حمد و نعت، مرثیہ، نوحہ اور سلام گوئی و خوانی کے حوالے سے اویس رضا قادری، سید آل رضا، افتخار عارف، اختر عثمانی، علامہ طالب جوہری، ندیم سرور اور ریحان کے نام بھی اہم ہیں۔

عصرِ حاضر میں سماع کی محافل، محرالحرام اور دیگر مذہبی تقریبات میں جدت آگئی ہے، درباروں، مزاروں، نجی تقریبات اور الیکٹرانک میڈیا پروڈکشن ویڈیوز میں اکثر حمد و نعت، مدح اور قوالی میں جدید موسیقی کے آلات کا استعمال کیا جاتا ہے اس حوالے سے مذہبی حلقوں میں کافی تشویش پائی جاتی ہے۔ مساجد اور امام بارگاہوں میں پڑھی

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جانے والی مذکورہ اصناف کے ساتھ موسیقی کے آلات کا استعمال نہیں کیا جاتا لیکن گانوں کی دھنوں پر نعت و منقبت پڑھنے کا رواج عام ہے۔ عید میلاد النبیؐ اور دوسری عیدوں میں ٹیلی ویژن ریڈیو اور انٹرنیٹ پر بھی مذہبی مشاعروں اور دیگر تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں حمد و نعت، سلام اور مزاحیہ شاعری کے مشاعرے منعقد کیے جاتے ہیں۔ رمضان المبارک کی خصوصی نشریات میں بھی پی ٹی وی اور نجی چینلوں اسلامی پروگراموں میں حمد و نعت کے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان کے گرد و نواح کے گدی نشین پیروں کے درباروں میں سماع کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں قوالی کے ساتھ ساتھ حمد و نعت اور سوز و سلام بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

اپنے عہدِ طفولی میں اردو زبان و ادب کی پرورش ہندوستانی عوام اور تہذیب و تمدن کے زیرِ اثر ہوئی۔ اردو شعر و ادب کی ابتدائی ترقی میں گھریلو اور مذہبی تقریبات کا بڑا اہم کردار رہا۔ گھروں محلوں میں قصہ کہانیوں کے سنائے جانے کا رواج، شادی بیاہ کے گیت، لوریاں، موسموں اور تہواروں کے گیت، زچگیریاں، بابل کے گیت، پنگھٹ کے گیت وغیرہ عام طور پر سنے اور سنائے جاتے۔ اردو کے ایسے عوامی یا سماجی ادب کی ابتدائی مثالیں جن میں گیت، دوہے، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں وغیرہ شامل ہیں امیر خسرو سے منسوب کیے جاتے ہیں جن کا رواج عرصہ دراز تک ہندوستان کے طول و عرض میں رائج رہا اور آج بھی کہیں کہیں ان کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ تہذیب و تمدن کے پروردہ اور عوام الناس کے بیچ پنپنے والے ایسے ادب کو لوک ادب کہا جاتا ہے لیکن اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ایسے عوامی ادب کی بھی تاریخی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ابتدائی طور پر اسی نوع کے لوک ادب سے اردو زبان و ادب کو ترقی ملی۔ اس کے علاوہ مقبولِ عام ادب کے ایک رخ کی حیثیت سے بھی ایسا ادب اہمیت کا حامل ہے۔ لوک ادب کی ایک تصویر تو وہ ہے جس میں ہندو مسلم تہذیب کا مشترکہ حصہ رہا ہے اور دوسرا وہ جس میں ان تہذیبوں کی الگ الگ تصویر نظر آتی ہے۔ شادی بیاہ کے گیت، بسنت کے گیت، ساون کے گیت، پہیلیاں، ڈھکوسلے، انملیں، قصے کہانیوں کے بعض رخ مشترکہ تہذیبی رنگوں میں رنگے نظر آتے ہیں جب کہ ہولی دیوالی، عید الفطر، عیدِ میلاد النبیؐ، عید البقر وغیرہ میں ہندو مسلم تہذیبوں کا الگ الگ رنگ نظر آتا ہے جو کہیں کہیں ان قوموں کے بھائی چارے کے جذبے کے تحت یکجا بھی ہوتا ہے۔ شادی کا گیت جو امیر خسرو سے منسوب ہے۔

کاہے کو بیاہی بدیس رے، سن بابل مورے [5]

اسی طرح مشہور لوریاں

چندا ماموں دور کے بڑے پکائیں بور کے

آ جاری ندیا تو آ کیوں نہ جا میرے منے کی آنکھوں میں گھل مل جا
آتی ہوں بی بی میں آتی ہوں دو چار بچے سلاتی ہوں
دو چار بچے تو پیچھے سُلائیو پہلے میرے منے کی آنکھوں میں آئیو

کھیل کود کے لیے پڑھا جانے والے یہ شعر

اکڑ بکڑ بمبے بو اسّی نوّے پورے سو
سو میں لگا تاگا چور نکل کے بھاگا [6]

مذکورہ بالا شعر اور اس نوع کے کئی ادبی ٹکڑے ہندوستان بھر میں اس قدر مقبول و معروف ہوئے کہ آج تک ان کی گونج پاک و ہند کے گھروں محلوں میں سنائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ حمد و نعت، چہار بیت، زاریاں، سلام، نوحہ، مرثیہ وغیرہ کو بھی گھریلو اور نجی تقریبات میں اہمیت حاصل ہے۔

مقبولِ عام اردو ادب کی ترویج و اشاعت کے میں رسائل اور اخبارات کا بڑا اہم کردار رہا۔ اودھ اخبار، دلگداز، اودھ پنچ وغیرہ نے ابتدائی طور پر اردو ادب کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بیسویں صدی میں شمع، بیسویں صدی، حریم، کھلونا اور دیگر ادبی اور نیم ادبی رسائل نے یہ فریضہ سر انجام دیا۔ بیسویں صدی کے نصف کے بعد مقبولِ عام ادب شائع کرنے والے اخبارات و رسائل کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ کئی ایک اشاعتی ادارے محض مقبولِ عام ادب شائع کرنے کے لیے ہی قائم کیے گئے جن میں جاسوسی دنیا، جاسوسی پنجہ، رومانی سنسار، نسیم بک ڈپو، پستک بھنڈار، شمع بک ڈپو اہم ہیں۔ جدید عہد کے اواخر میں اخبارات شائع کرنے والے اداروں نے بھی نیم ادبی ہفتہ وار، اور ماہوار رسالے شائع کرنا شروع کیے جن میں سنڈے میگزینز، اخبارِ جہاں، فیملی میگزین، وغیرہ شامل ہیں۔

۱۸۳۶ء تا ۱۸۵۷ء تک جاری رہنے والا دہلی اردو اخبار مولانا محمد حسین آزاد کے والد گرامی مولوی محمد باقر نکالا کرتے تھے۔ بقول آزاد یہ اردو زبان کا پہلا اخبار تھا، اس اخبار میں ہندوستان کے سیاسی و سماجی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ غالب، ذوق، ظفر اور دہلی کے دوسرے نامور شعرا کا کلام اور مشاعروں کی روداد بھی شائع کی جاتی تھی۔ معروف محقق ارتضیٰ کریم نے اس اخبار کے چند شمارے کتابی صورت میں شائع کرائے ہیں۔

اودھ پنچ منشی سجاد حسین نے ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو لکھنؤ سے جاری کیا جو ۱۲ صفحات میں ۱۹۱۳ء تک شائع ہوتا رہا۔ ہندوستانی سیاسی و سماجی کشمکش، مغربی تہذیب کا بگاڑ، سر سید اور حالی اس اخبار کے مستقل موضوعات تھے۔ اس اخبار میں لکھنے والے ادیب خصوصاً اکبر الہ آبادی سر سید اور حالی کے تعاقب میں رہتے اور ان کا خاکہ اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اودھ پنچ کے نمائندہ لکھاریوں میں منشی سجاد حسین، اکبر الہ آبادی، بھون ناتھ ہجر، منشی جوالہ پرشاد اُفق، مچھو بیگ ستم ظریف وغیرہ شامل تھے۔

منشی نول کشور کے مطبع سے شائع ہونے والا اودھ اخبار مقبولِ عام اردو ادب کی نشر و اشاعت کے حوالے سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ محققین اس اخبار کی اولین اشاعت کے حوالے سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن زیادہ تر محققین کے خیال میں اس اخبار کا اجراء ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا پھر ۱۸۷۲ء سے ہفتے میں دو بار شائع ہونے لگا اور ۱۸۷۷ء سے اس نے روزنامہ اخبار کی صورت اختیار کر لی۔ پہلے پہل اس کے چار صفحات ہوتے تھے بعد ازاں اس کے صفحات کی تعداد بڑھ کر ۱۶ تک پہنچ گئی اور بعض موقعوں پر صفحات کی تعداد ۴۸ تک بھی پہنچ جاتی۔ اس اخبار کے اہم مدیران میں منشی نول کشور، منشی غلام محمد تپش، رتن ناتھ سرشار، عبد الحلیم شرر وغیرہ شامل ہیں۔ اودھ اخبار میں ادبیات کے علاوہ ہندوستانی سیاسی، سماجی اور تاریخی حالات کا بھی احاطہ کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا خاص میدان اردو ادب ہی رہا اور اسی وجہ سے عوام الناس میں اس کی اہمیت و مقبولیت بڑھی۔ اس اخبار کا سب سے بڑا کارنامہ رتن ناتھ سرشار کا ناول فسانہ آزاد ہے جسے اردو داستان اور ناول کی درمیانی کڑی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ناول اودھ اخبار میں ایک سال تک قسط وار چھپتا رہا، اس کے بعد عوام الناس کی دلچسپی کے پیشِ نظر اس ناول کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار نے فسانہ آزاد کے علاوہ دو اور ناول سیرِ کہسار اور جامِ سرشار اس اخبار کے لیے لکھے جو اخبار میں فسانہ لطیف اور فسانہ جدید کے نام سے چھپے۔

عبد الحلیم شرر نے محشر، مہذب، پردہ عصمت، دلگداز، ظریف وغیرہ جاری کیے لیکن ادبی حوالے سے ان کا رسالہ دلگداز مقبولِ عام رہا۔ یہ رسالہ ۱۸۸۷ء تا ۱۹۲۶ء جاری رہا۔ اس رسالے میں ان کے ناول ملک العزیز ورجنا، حسن انجلینا، اور منصور موہنا وغیرہ قسط وار شائع ہوتے رہے۔ اسی زمانے میں دیا نرائن نگم کا رسالہ زمانہ بھی منشی پریم چند کی نگارشات کی وجہ سے کافی مقبول ہوا۔

بیسویں صدی میں خواتین کے رسائل کی بہت زیادہ مانگ رہی اور ایسے نسائی رسائل کا سلسلہ اس صدی کے اواخر تک بڑھتا ہی رہا۔ ابتدائی طور پر شیخ محمد اکرام کا رسالہ عصمت (دہلی)، منشی محبوب عالم کا رسالہ شریف بی بی (لاہور)، شیخ عبد اللہ کا خاتون (علی گڑھ)، علامہ راشد الخیری کے تین رسائل سہیلی، استانی اور عصمت (دہلی) وغیرہ مقبول رہے۔

بیسویں صدی میں اردو ادب کو مقبولِ عام بنانے مین جن اداروں نے اہم کردار ادا کیا ان میں نسیم بک ڈپو (لکھنؤ)، نکہت پبلی کیشنز (الہ آباد)، شمع بک ڈپو (نئی دہلی)، کتابی دنیا (لکھنؤ)، ادارہ قوسِ قزح (کراچی)، پنجابی پستک بھنڈار (دہلی)، مکتبہ انوکھا جاسوس (دہلی)، زرفشاں پبلکیشنز (حیدر آباد)، آہلووالیہ بک ڈپو (دہلی)، اسرار پبلی کیشنز (کراچی)، علم و عرفان پبلیشرز (لاہور)، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز (لاہور)، یوسف برادرز (لاہور ر ملتان)، خان برادرز (ملتان)، مکتبہ اشتیاق (لاہور)، اٹلانٹس بک ڈپو (کراچی) وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات کے صفحات، ہفتہ وار اور ماہوار میگزینز میں بھی اردو ادب کے گوشے مقرر ہیں جن میں مقبول عام کہانیاں اور ناول قسط وار شائع ہوتے آرہے ہیں۔

علی عباس حسینی نے ماہنامہ رسالہ نکہت ۱۹۴۸ء میں جاری کیا۔ اس رسالے کا بنیادی مقصد ادب کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت تھا۔ ابنِ صفی نے ۱۹۵۲ میں اس رسالے کے لیے جاسوسی ناول لکھنا شروع کیے۔ بعد ازاں علی عباس حسینی نے نکہت پبلی کیشنز کے نام سے باقاعدہ اشاعتی ادارہ قائم کر لیا جس کے زیر اہتمام جاسوسی، رومانی اور تاریخی ناول شائع ہوتے تھے۔ اس ادارے کے مقبول ترین ماہانہ سلسلوں میں جاسوسی دنیا، رومانی دنیا، تاریخی داستان اور طلسمی دنیا شامل ہیں۔ جاسوسی دنیا علی عباس حسینی اور ابنِ صفی کی مشترکہ کاوش تھی۔ تاریخی داستان کے لیے احسن ممتاز، رومانی دنیا کے لیے شکیل جمالی، اختر شاہد، اور طلسمی دنیا کے لیے ابنِ سید ایم اے لکھتے رہے۔ یہ تمام پرچے پاکستان میں ابنِ صفی کے اشاعتی ادارے اسرار پبلی کیشنز سے شائع ہوتے رہے۔

حافظ یوسف دہلوی کے ادارے شمع بک ڈپو سے الیاس سیتاپوری، دت بھارتی، شوکت صدیقی، کرشن گوپال عابد، وحشی محمود آبادی، اور دیگر مقبول عام ادیبوں کے ناول اور کہانیاں شائع ہوئیں۔ اس ادارے کے زیر اہتمام نکلنے والے رسائل میں ماہنامہ شمع، کھلونا، بانو، مجرم اور شبستان شامل تھے۔ شمع اور مجرم کی ہندی میں بھی ششما اور دوشی کے نام سے اشاعت ہوتی تھی۔ ماہنامہ شمع اور کھلونا اپنے زمانے کے مقبول ترین رسائل میں شمار ہوتے تھے۔ کھلونا بچوں کا رسالہ تھا جس میں تفریحی، جاسوسی اور جادوئی کہانیاں چھپتی تھیں۔ شمع میں فلمی ستاروں کی تصاویر کے ساتھ فلمی دنیا کی کارگزاریاں شائع کی جاتی تھیں ساتھ ہی ادبی تخلیقات بھی اس رسالے کی زینت بنتی تھیں۔

نسیم انہونوی کے مطبع نسیم بک ڈپو سے مقبولِ خاص وعام ادیبوں کی نگارشات شائع ہوتی رہیں وہ خود بھی ناول نگار تھے، انہوں نے خواتین ناول نگاروں کی خصوصی پزیرائی کی۔ ایک ماہانہ رسالہ حریم بھی اسی غرض سے نکالا کرتے تھے جو غزالہ بیگم اور بیگم جمیل کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ اسی ادارے سے بچوں کا ایک رسالہ کلیاں شمیم انہونوی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا جس میں کہانیاں، کارٹون، لطیفے، نظمیں اور مضامین وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ نسیم انہونوی کے مطبع سے اظہار اثر، اکرم الہ آبادی، رضیہ سجاد ظہیر، جمال آرا بیگم، قیسی رام پوری، مظہر الحق علوی، شوکت تھانوی اور دیگر مصنفین کی کہانیاں شائع ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ نامور محققین و ناقدین کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں بھی یہاں سے شائع ہوئیں۔

پاکستان میں مقبولِ عام اردو ادب کی اشاعت کے حوالے سے ابنِ صفی کا ادارہ اسرار پبلی کیشنز، کراچی اہمیت کا حامل ہے۔ ابنِ صفی نے یہ ادارہ ۱۹۵۷ میں قائم کیا جس کے تحت جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے ناول شائع ہوتے رہے۔ ظہیر الدین نامی (سرکاری ملازم) شخص نے لاہور کے لیے ابنِ صفی سے ان کے نالوں کے حقوقِ اشاعت حاصل کر کے اسرار پبلی کیشنز لاہور کے بینر سے شائع کیے جن کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کتابی دنیا لاہور سے ہوا کرتا تھا۔ بعد ازاں ظہیر الدین سرکاری محکمے میں مالی خرد برد کے الزام میں دھر لیے گئے اور کتابی دنیا کے مالک سلطان محمد نے ابنِ صفی کی اجازت سے ان کے ناول کتابی دنیا سے شائع کرنا شروع کیے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد یہاں سے پہلا ڈائجسٹ حسرت موہانی کے بھائی متین موہانی نے پاکستان ڈائجسٹ کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۴۸ء میں یہ ڈائجسٹ مالی مشکلات کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں اعجاز حسین قریشی، الطاف حسین قریشی اور ملک ظفر اللہ خان نے مل کر اردو ڈائجسٹ کا اجراء کیا۔ ابن صفی نے ۱۹۵۹ء میں جاسوسی دنیا نامی رسالہ نکالا لیکن چھ شماروں کے بعد یہ رسالہ ابنِ صفی کی بیماری کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں اردو ڈائجسٹ کے چند لوگوں نے ادارے سے الگ ہو کر ایک نیا ڈائجسٹ سیارہ کے نام سے نکالا۔ یہ دونوں رسائل ادبی تخلیقات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ جمعیت اسلامی کے نظریات کا پرچار بھی کرتے تھے۔ لگ بھگ اسی زمانے میں جون ایلیا نے عادل شکیل زادہ کے ساتھ مل کر انشاء نامی ادبی رسالہ نکالا جو بعد ازاں عالمی ڈائجسٹ کی صورت اختیار کر گیا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۹۷۰ء میں عادل شکیل زادہ نے اپنا ذاتی ڈائجسٹ سب رنگ کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ اس ڈائجسٹ نے بے انتہا مقبولیت حاصل کی، اسی ڈائجسٹ میں شوکت صدیقی کا ناول جانگلوس بھی قسط وار شائع ہوتا رہا۔ معراج رسول نے جاسوسی ڈائجسٹ ۱۹۷۱ء، سسپنس ڈائجسٹ ۱۹۷۲ء، اور سرگزشت جاری کیے۔ محی الدین نواب کا مقبول ترین سلسلہ وار ناول دیوتا سسپنس میں ۳۳ سال تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ ایچ اقبال نے معراج رسول کی شراکت داری میں الف لیلہ ڈائجسٹ جاری کیا، بعد میں انہوں نے اکیلے ہی یہ ڈائجسٹ سنبھالا۔ اس ڈائجسٹ کے لیے ایچ اقبال نے صبیحہ بانو کے قلمی نام سے دو مشہور سلسلوں جال اور چھلاوٗا کا آغاز کیا۔ فضل حق نے نئے افق ڈائجسٹ جاری کیا جسے بعد ازاں مشتاق احمد قریشی نے خرید کر ابنِ صفی میگزین کے نام سے جاری کیا لیکن قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے انہیں یہ نام تبدیل کر کے پرانے نام سے ہی شائع کرنا پڑا۔ انہوں نے نئے افق نام کا اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جس کے تحت دو مزید رسائل نیا رخ اور آنچل بھی نکالے۔

مذکورہ رسائل کے علاوہ پاک وہند سے کئی مقبول عام رسائل جاری ہوتے ہیں جن میں نسائی، خانگی، رومانی، جاسوسی اور دیگر معاشرتی موضوعات پر ناول اور مختصر کہانیاں شائع ہوتی ہیں۔ کراچی سے دوشیزہ، سچی کہانیاں، کھلونا، کراچی ڈائجسٹ، پاکیزہ، روحانی ڈائجسٹ، زمانہ، سائنس، سات رنگ، ست رنگ، عالمگیر، عمران، او فلمستان، ڈر، وغیرہ نکلتے ہیں۔ لاہور سے فلم ڈائجسٹ، ننھا منا ڈائجسٹ، آداب عرض، آنچل، ایشیا، خواتین، جواب عرض اور پشاور سے فلمی دنیا وغیرہ شائع ہوتے ہیں۔ ان رسائل کے علاوہ اخبارات اور ان کے ماتحت نکلنے والے ہفت وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ میگزینز نے بھی اردو ادب کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کے بڑے اخبار جنگ، ایکسپریس، نوائے وقت، اوصاف وغیرہ کے ادبی گوشوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اور ان کے میگزینوں میں ناول، افسانے، سفر نامے، ادبی تحقیقی و تنقیدی مضامین اور دیگر ادبی نگارشات شائع ہوتی رہتی ہیں جو ارزاں نرخوں میں ادب کو عوام الناس تک پہنچانے کا اہم ذریعہ ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ جہاں ادب کو فروغ حاصل ہو رہا ہے وہی اس کے تہذیبی و ثقافتی ذرائع اور پرنٹ میڈیا کے استعمال میں کمی بھی آتی جا رہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے ابتدائی زمانے میں فلم اور بعد ازاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اسٹیج ڈراما، داستان گوئی اور دیگر سماجی تفریحی معاملات کو متاثر کیا۔ عصرِ حاضر میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی تیز رفتار ترقی نے کاغذی کتب بینی کے رجحان کو کافی محدود کر دیا ہے۔ لوگوں کو گھر بیٹھے مطلوبہ کتاب با آسانی انٹرنیٹ سے دستیاب ہو جاتی ہے اور کسی بھی مضمون سے متعلق تحریری، سمعی یا بصری مواد ایک کلک پر سامنے آ جاتا ہے۔ ادبی تخلیقات اور تحقیق و تنقید پر مبنی کتب کے حوالے سے بھی انٹرنیٹ پر روز افزوں کام ہو رہا ہے۔ ڈیجیٹل لائبریوں میں روز بہ روز ادبی کتب کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے جو کہ خوش آئند بات ہے۔ اس سے نہ صرف عام قارئین تک ادب با آسانی پہنچ جاتا ہے بلکہ اردو ادب کی اہم اور نایاب کتب محفوظ بھی ہو رہی ہیں۔ ڈیجیٹل اردو لائبریریوں نے مقبولِ عام اردو ادب کے ایک بڑے پوشیدہ ذخیرے کو نہ صرف عوام الناس تک پہنچایا ہے بلکہ اسے معدومیت سے بھی بچالیا ہے۔

متحدہ ہندوستان میں پہلی خاموش فلم "راجہ ہریش چندر" داداصاحب پھالکے نے ۱۹۱۲ء میں بنائی اور ۱۹۱۳ء میں بمبئی کے رونیشن سنیما میں دکھائی گئی۔ داداصاحب کی دیگر مشہور فلموں میں بھیشم سودا موہنی، ساوتری، لنکا دہن اور کرشن جنم شامل ہیں۔ ۱۹۲۰ء تک زیادہ تر مذہبی تصورات پر مبنی فلمیں بنتی رہیں۔ ۱۹۲۰ء کے بعد تاریخی، معاشرتی اور مزاحیہ فلموں کا رواج عام ہوا۔ دھیپن گنگولی نے ہندوستان میں مزاحیہ فلموں کی بنیاد رکھی ان کی مقبول ترین مزاحیہ فلموں میں مریخ ٹانک، لیڈی ٹیچر اور انگلینڈ ریٹرن شامل ہیں۔ اسی زمانے میں جندولال شاہ نے ۱۳۰ کے قریب فلمیں بنائیں۔ سنیما کے اس ابتدائی دور میں زیادہ تر مغربی فلمیں پیش کی جاتی تھیں ای اندازے کے مطابق اس زمانے میں ۸۵ فی صد غیر ملکی اور ۱۵ فی صد ہندوستانی فلمیں سالانہ ریلز ہوتیں۔ ۱۹۳۱ء میں اردشیر ایرانی نے امپیریل فلم کمپنی کے بینر تلے پہلی گویا فلم "عالم آرا" بنائی جس کی نمائش کے موقع پر لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم امڈ آیا کہ اس کو قابو میں رکھنے کے لیے پولیس کی مدد لینی پڑی۔ ابتدائی زمانے کی فلموں میں اسٹیج ڈراموں کے تمام عناصر، موسیقی، رقص، شاعری، وغیرہ موجود تھے عوام الناس نے اس نئے تجربے کو بے حد پسند کیا۔ پہلے پہل قائم کی جانے والی فلم کمپنیوں میں نیو تھیٹر لمیٹڈ کلکتہ ۱۹۳۰ء جس کے مالک نریندر ناتھ سرکار تھے، دوسری بڑی کمپنی بھارت فلم کمپنی ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی جسے شانتارام نے چار حصہ داروں کی مدد سے قائم کیا۔ تیسری فلم کمپنی بامبے ٹاکی لمیٹڈ کے نام سے قائم ہوئی۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری کی ترقی میں ان کمپنیوں نے اہم کردار ادا کیا۔

تقسیم کے بعد ہندوستانی فلم انڈسٹری دو حصوں بالی ووڈ اور لالی ووڈ میں تقسیم ہو گئی۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری بالی ووڈ تو ترقی کی منازل طے کرتی رہی لیکن پاکستانی فلمی صنعت لالی ووڈ ۱۹۸۰ء کے بعد زوال کا شکار ہونے لگی۔ فلم انڈسٹری کی ترقی کے ابتدائی دور میں اسٹیج ڈراموں سے بھی مدد لی گئی اور اردو کے نامور ادیبوں نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جن اسٹیج ڈراموں پر فلمیں بنائی گئیں ان میں شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں اور یہودی لڑکی اہم ہیں، اس کے علاوہ منشی پریم چند کی کہانیوں (گئودان، ہیرا موتی، غبن، عورت کی فطرت اور پنچ پرمیشور)، شوکت تھانوی کے ناول (خدانخواستہ)، منٹو کی کہانی پر (مرزا غالب)، عصمت چغتائی کے ناول ضدی پر اسی نام سے، غلام عباس کی کہانی آنندی پر منڈی کے نام سے فلمیں بنائی گئیں، اس کے علاوہ کرشن چندر، قاضی نذر الاسلام، راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، گلشن نندہ، کی کہانیوں پر فلمیں بنیں۔ الف لیلہ کے قصوں پر حاتم طائی، علی بابا چالیس چور، اور الہ دین کا چراغ نامی سُپرہٹ فلمیں بنیں۔ فلم انڈسٹری سے وابستہ اردو کے دیگر ادیبوں میں آغا حشر کاشمیری، سرشار سیلانی، کامل امروہی، وجاہت مرزا، اختر الایمان، ساحر لدھیانوی، قمر جلال آبادی، شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، قتیل شفائی، سیف الدین سیف، تنویر نقوی وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں ان ادیبوں نے فلمی مکالمہ نگاری اور گیتوں کو عوامی اردو کا پیراہن عطا کیا جو آج بھی ہندوستانی فلموں میں رائج ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد یہاں جو پہلی فلم بنی وہ تیری یاد تھی۔ یہ فلم پنچولی پکچرز کے بینر تلے بنی اور اس فلم کے ہدایت کار داؤد چاند تھے اس فلم کی نمائش ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو پربت تھیٹر (بھات سنیما) لاہور میں ہوئی۔ اس فلم کے نغمے تنویر نقوی، طفیل ہوشیار پوری، سیف الدین سیف اور قتیل شفائی نے لکھے اور مکالمے اور منظر نامہ خادم محی الدین نے تحریر کیا۔ ۱۹۵۰ء میں فلم دو آنسو ریلیز کی گئی یہ فلم سُپرہٹ ثابت ہوئی۔ اس فلم کے ہدایت کار مرتضیٰ جیلانی اور انور کمال پاشا تھے اور پیشکش شیخ لطیف کی تھی۔ مکالمے حکیم احمد شجاع اور اسکرین پلے انوار کمال پاشا نے لکھے۔ گیت نگاروں میں طالب بدایونی، ساغر صدیقی، حزیں قادری، اور قتیل شفائی شامل تھے۔ ۱۹۵۲ء میں ایک اور کامیاب فلم دوپٹہ پیش کی گئی جس کے ہدایت کار سبطین فضلی اور پروڈیوسر اسلم لودھی تھے۔ اس فلم کے مکالمے ایس ایچ زیدی اور طفیل آفتاب نے لکھے جب کہ کہانی

کاروں میں مسعود فضلی اور ایس بے حلیم شامل تھے۔ نغمے مشیر کاظمی، عرش لکھنوی اور فیاض ہاشمی نے لکھے۔ ملکہ ترنم نور جہان کی آواز میں گائے گئے اس فلم کے نغمے "چاندنی راتیں" اور " تم زندگی کو غم کا فسانہ بنا گئے" بہت مقبول ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں باغی فلم بنی اس فلم میں پہلی بار سلطان راہی سلور اسکرین پر نظر آئے۔ یہ فلم برطانوی راج مخالف نظریے پر بنائی گئی ے تھی جو بے حد کامیاب رہی۔ فلم کی کہانی اور مکالمے عرش لکھنوی نے لکھے اور نغمہ نگاروں میں مشیر کاظمی، ساغر صدیقی، ایس کے مسرت شامل تھے۔

۸۰ء کی دہائی تک پیش کی جانے والی دیگر کامیاب پاکستانی فلموں میں نوکر ۱۹۵۵ء، وعدہ ۱۹۵۷ء، سسی ۱۹۵۹ء، ارمان ۱۹۶۶ء، چکوری ۱۹۶۷ء، زرقا ۱۹۶۹ء، بدنام ۱۹۶۶ء، آئینہ ۱۹۷۷ء، میرا نام ہے محبت ۱۹۷۵ء، اک گناہ اور سہی ۱۹۷۵ء، خاک اور خون ۱۹۷۹ء، (نسیم حجازی کے ناول پر مبنی)، وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ بالا شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ جن لکھاریوں نے پاکستانی فلم انڈسٹری کے لیے خدمات سرانجام دیں ان میں تسلیم فاضلی، مظفر وارثی، عزیز میر ٹھی، منیر نیازی، شاعر صدیقی، حمایت علی شاعر، حبیب جالب اور ریاض الرحمٰن ساغر وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستانی فلموں نے سنہری دور میں جو اداکار مقبول رہے ان میں صبیحہ خانم، نور جہاں، سنتوش کمار، اجے کمار، سدھیر، گلشن آرا، ندیم، شبنم، محمد علی، زیبا، رانی، وحید مراد، شمیم، غلام محی الدین، شاہد اور رنگیلا جیسے اداکار شامل تھے۔ جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں سنسر شپ کی بے جا پابندیوں کی وجہ سے پاکستانی فلم انڈسٹری کی ترقی کا عمل رک گیا اور پاکستانی اردو فلموں کا رجحان گھٹتا چلا گیا، اس زمانے میں پنجاب میں (جو کہ پاکستان کی تقریباً ۶۰ فی صد آبادی پر مشتمل صوبہ ہے) پنجابی فلموں کا رواج ترقی پانے لگا۔ ہلے سلطان راہی اور ان کے بعد اداکار شان نے پنجابی کلچر پر مبنی فلموں میں مرکزی کردار نبھائے۔ ۲۰۱۰ء کی دہائی سے کراچی میں جدید انداز کی فلمیں بن رہی ہیں جو کچھ حد تک کامیاب رہی ہیں۔ ۲۰۲۲ء میں جدید پنجابی فلم دی لیجنڈ آف مولا جٹ پیش کی گئی جو بے حد کامیاب رہی اور عالمی سطح پر بھی اسے سراہا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس فلم نے دو ارب روپے کمائے۔

۱۹۹۰ء کے بعد پاکستانی فلم انڈسٹری کی بحالی کے لیے کوششیں کی گئیں لیکن تخلیقیت کے فقدان اور گلیمر کے بڑھتے رجحانات نے اس کی ساکھ کو مزید نقصان پہنچایا۔ پاکستانی پروڈیوسروں نے پیسہ بنانے کی لالچ میں سستے اور گلیمرائز منصوبوں پر کام کیا جس کی وجہ سے فلم سے کہانی کا حسن اور گیتوں کی چاشنی غائب ہو کر رہ گئی۔ دوسری طرف ہندوستانی فلم انڈسٹری میں منا بھائی ایم بی بی ایس، غلامِ مصطفیٰ، وجود، تھری ایڈیٹس، لگان، دنگل، بجرنگی بھائی جان، جیسی تخلیقی فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔ بالی ووڈ میں سائنس فکشن اور فیوچر لزم پر بھی عمدہ کام کیا جارہا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے خیالی اور ماورائی مناظر کو بھی حقیقت کے قریب تر کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ ان کے ہاں فلمی گیتوں کی زبان اور موسیقی کا معیار بھی عمدہ ہے اسی وجہ سے انڈین فلموں کو پاکستان سمیت پوری دنیا میں پسند کیا جاتا ہے۔

متحدہ ہندوستان میں ریڈیو کی تجرباتی نشریات ۱۹۲۱ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۳۶ء میں اس کی باقاعدہ نشریات کا آغاز آل انڈیا ریڈیو کے قیام کے ساتھ ہوا۔ آل انڈیا ریڈیو کی نشریاتی زبان اردو ہندی تھی جس میں ابتدائی طور پر فارسی، عربی اور ہندوستانی زبانوں کے تاثرات رہے۔ ابتدائی زمانے میں ریڈیو کے نمائندہ افراد میں زیڈ اے بخاری اور پطرس بخاری شامل تھے۔ ریڈیو نشریات کے آغاز کے ساتھ ہی آل انڈیا ریڈیو کی جانب سے ریڈیو پروگراموں کے احوال پر مبنی ایک رسالہ آواز بھی جاری کیا جانے لگا جس کے مدیر اسرار الحق مجاز تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۸۷ تک نکلتا رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہندوستانی ریڈیو کا دائرہ کار چند دوسرے ممالک تک بھی پھیلا دیا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں پطرس بخاری آل انڈیا ریڈیو کے پہلے ہندوستانی براڈکاسٹنگ کنٹرولر اور ۱۹۴۳ء میں ڈائریکٹر جنرل بنے۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۱ء میں محکمہ اطلاعات و نشریات کا قیام عمل میں آیا۔ اور ریڈیو اس کے ماتحت ہو گیا بعد ازاں یہ محکمہ وزارت کے ماتحت کر دیا گیا۔ ریڈیو الیکٹرانک میڈیا کا پہلا ایسا میڈیم تھا جس کے ذریعے سے اردو زبان و ادب کی گھر گھر رسائی ممکن ہوئی۔ ابتدائی طور پر ریڈیو سے اردو فیچر اور ڈراما جسی اصناف نشر ہوتی رہیں۔ ریڈیو ڈراموں کے ابتدائی زمانے میں اسٹیج ڈرامے زوال کا شکار تھے۔ ریڈیو کی صورت میں عوام الناس کو ایک نئی تفریح کا سامان مل گیا گیا تھا۔ ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۸ بمبئی سے اردو ہندی میں ۷۳ ڈرامے نشر کیے گئے۔ زیڈ اے بخاری ریڈیو ڈراموں کے پہلی صداکار بنے۔

اردو کے نامور ادیبوں سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، شوکت تھانوی، عشرت رحمانی رفیع پیرزادہ اور عابد علی عابد نے ریڈیو کے لیے ڈرامے لکھے۔ اس کے علاوہ ن م راشد، میراجی، مختار صدیقی، راجہ مہدی علی خان، اسرار الحق مجاز، تابش دہلوی، انصار ناصری، فضل الحق قریشی، اختر الایمان، فارغ بخاری وغیرہ بھی ریڈیو سے وابستہ رہے۔ ان ادباء نے ریڈیو کے لیے ڈرامے، فیچرز، ٹاکس اور دیگر تحریریں لکھیں۔ تقسیم کے بعد ریڈیو کے اہم لکھاریوں کی بڑی تعداد پاکستان چلی آئی اور ہندوستانی ریڈیو کی اردو نشریات کا سلسلہ لسانی و تعصب کا شکار ہو گیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے ریڈیو اسٹیشنوں میں اردو کی بجائے ہندی زبان کو فروغ دیا جانے لگا اور اسی دوران ہندی رسم الخط کی تبدیلی بھی عمل میں لائی گئی۔ تقسیم کے بعد ہندوستان کے حصے میں چھ اور پاکستان کے حصے میں تین ریڈیو اسٹیشن لاہور، پشاور اور ڈھاکہ آئے۔ پاکستان میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ریڈیو کی سرپرستی زیڈ اے بخاری اور پطرس بخاری جیسے قابل لوگوں نے کی۔ امتیاز علی تاج، نصر اللہ خان، خالد حسین قادری، انتظار حسین، ابنِ صفی اور اشفاق احمد، ہاجرہ مسرور، بانو قدسیہ جیسے ادیبوں نے ریڈیو پاکستان کے لیے فیچرز اور ڈرامے وغیرہ لکھے۔ آزادی کے بعد جلد ہی کراچی میں بھی ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا۔ پاکستانی ریڈیو سے ابتدائی زمانے میں انار کلی از امتیاز علی تاج، لائٹ ہاوس کے محافظ از نصر اللہ خان، آخری آدمی از انتظار حسین اور سٹوڈیو نمبر ۰۹ جیسے مقبول ترین ڈرامے نشر ہوتے تھے۔ سٹوڈیو نمبر ۰۹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب یہ ڈراما پیر کو رات نو بجے نشر ہوتا تو کراچی کی سڑکیں سنسان ہو جاتی تھیں۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی نشریات کا آغاز ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو ہوا۔ پاکستان میں ٹیلی ویژن نشریات کا باقاعدہ آغاز ۲۶ نومبر ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ جاپان کی ایک الیکٹرانک کمپنی نپن کے تعاون سے ابتدائی طور پر لاہور اور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ڈھاکہ میں ٹی وی اسٹیشن قائم کیے گئے۔ پاکستان کے پہلے ٹی وی اسٹیشن کا افتتاح اس وقت کے پاکستانی صدر جنرل ایوب کان نے کیا اور پہلی اناؤنسمنٹ معروف اینکر طارق عزیز نے کی۔ ۱۹۷۲ء تک ٹی وی اسٹیشن ریڈیو پاکستان کی عمارت میں ہی قائم رہے۔ ۱۹۷۲ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے پی ٹی وی کی الگ عمارت کا افتتاح کیا۔ پاکستان ٹیلی ویژن کا پہلا ڈراما نذرانہ تھا جو شیکسپئیر کے ڈرامے سیزر سے ماخوذ تھا جس کا اسکرپٹ نجمہ فاروقی نے لکھا اور افضل کمال نے اس کی ہدایات دیں، اداکاروں میں محمد قوی خان اور کنول نصیر وغیرہ شامل تھے۔ پی ٹی وی کے الگ انتظام کے بعد پہلا ڈراما سیریل ٹاہلی تھلے اشفاق احمد نے لکھا۔ ۱۹۷۶ء میں پی ٹی وی کی رنگین نشریات کا آغاز کیا گیا۔ پہلا رنگین ڈراما پھولوں کی سیر تھا، اس ڈرامے کا اسکرپٹ بھی اشفاق احمد نے لکھا۔ ۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو کراچی، ۲۶ نومبر ۱۹۶۷ء کو کوئٹہ اور ۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو پشاور میں ٹی وی اسٹیشن قائم کیے گئے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد پاکستان میں ۵ ٹی وی اسٹیشن باقی رہ گئے۔

پی ٹی وی سے پیش کیے جانے والے ڈراموں اور دیگر پروگراموں کی اردو زبان و ادب کے حوالے سے بھی اہمیت رہی ہے۔ اردو ادب کے معروف مصنفین کی کہانیوں اور دیگر تحریروں نے پاکستان ٹیلی ویژن کو تازگی اور مقبولیت بخشی۔ شوکت صدیقی کے ناول خدا کی بستی اور جانگلوس، ڈپٹی نذیر احمد کے ناول مرۃالعروس، نسیم حجازی کے ناول شاہین کو ڈرامائی تشکیل کے ساتھ پیش کیا گیا۔ عوام الناس نے ان ڈراموں کو بے حد پسند کیا۔ اس کے علاوہ میری پسندیدہ کہانی نامی سیریز میں شریف آدمی از شوکت صدیقی، بادشاہت کا خاتمہ از منٹو، ردِ عمل از انور عنایت اللہ، فلاسفر از شفیق الرحمٰن، کالی بلی از اشفاق احمد، سرخ فیتہ از قدرت اللہ شہاب وغیرہ کو ڈرامائی صورت میں پیش کیا گیا۔

ایوانِ تمثیل نامی سلسلے میں منٹو کے ممد بھائی اور ظہور احمد کے افسانے دیواریں پر ڈرامے پیش کیے گئے۔ فاطمہ ثریا بجیا نے عبدالحلیم شرر کے ناول فردوسِ بریں کو دو قسطوں میں پیش کیا۔ ۱۹۷۰ء میں تصور شرط نامی سلسلے کے تحت میر امن کی داستان باغ و بہار کے کچھ حصے خواجہ سگ پرست، ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ابن الوقت اور مرۃ العروس اور توبتہ النصوح کی ڈرامائی تشکیل کی گئی۔ اس کے علاوہ شہزوری از عظیم بیگ چغتائی (ڈرامائی تشکیل، حسینہ معین ۱۹۷۳ء)، دستک نہ دو از الطاف فاطمہ (ڈرامائی تشکیل، فوزیہ رفیق ۱۹۷۴ء)، شمع، افشاں از اے آر خاتون (ڈرامائی تشکیل فاطمہ ثریّا بجیا۔ حسینہ معین) آخری چٹان از نسیم حجازی (ڈرامائی تشکیل، سلیم احمد ۱۹۸۰ء، لازوال از بشریٰ رحمٰن (ڈرامائی تشکیل، اصغر ندیم سیّد اور عروسہ از زبیدہ خاتون (ڈرامائی تشکیل حسینہ معین اہم ہیں۔ وراث از امجد اسلام امجد، الف نون (مزاحیہ) از کمال احمد رضوی، سونا چاندی از راشد ڈار، اندھیرا اجالا از یونس جاوید، آنچ از سلطانہ ناہید، الاؤ از اصغر ندیم سید، انگار وادی از رؤف خالد، دھواں از عاشر عظیم، ماروی از نورالہدیٰ شاہ اہم ہیں۔

بچوں کے لیے پی ٹی وی پر اب تک پیش کیے جانے والے اہم ڈراموں اور دیگر پروگراموں میں ننھی سی کہانی ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۷ء، بچوں کی الف لیلہ ۱۹۶۵ء، بچوں کا تھیٹر ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء، مُلا نصیر الدین ۱۹۶۷ء، الف لیلہ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۲ء، کلیاں ۱۹۷۹ء، بچوں کی عدالت ۱۹۸۶ء، عینک والا جن ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۶ء (۱۵۰ اقساط) خفیہ جزیرہ ۱۹۹۶ء۔ ۱۹۹۷ء، امبر ماریہ ۱۹۹۷۳ ۔ ۱۹۹۸ء، انوکھی دنیا ۱۹۹۹ء شامل ہیں۔

ٹیلی ویژن کی پرائیوٹائزیشن کے بعد بچوں کا کوئی معیاری پروگرام یا ڈراما پیش نہ کیا جا سکا۔ موجودہ زمانے میں موبائل فون میں انٹرنیٹ کی سہولت سے غیر ملکی بچوں کے پروگراموں سے بچوں کی تفریحی اور تعلیم و تربیت کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ ٹی وی پر ادبی شخصیات کے انٹرویوز، مشاعرے اور زبان و ادب پر تبصروں کے پروگرام بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ غیر ملکی ڈراموں خاص کر ترکی کے اردو ڈبنگ ڈراموں کو بھی پاکستان میں پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ پاکستان سمیت بیشتر ممالک میں ترکی کے ڈراموں ارتغل غازی اور عثمان نامی ڈراموں نے شہرت حاصل کی ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

عصرِ حاضر میں عمیرہ احمد، نمرہ احمد، ماہا ملک، ہاشم ندیم، فرحت اشتیاق وغیرہ کے ناولوں کی کامیاب ڈرامائی تشکیل کی جاری ہے۔ یہ لکھاری خود بھی ٹیلی ویژن سے وابستہ ہیں۔ گو ان لکھاریوں کو مقتدر ادبی حلقوں کی تنقید کا بھی سامنا رہا ہے لیکن عوام الناس میں انہیں مقبولیت حاصل ہے۔ عصرِ حاضر کے ناول اور ڈراما نگاروں میں عمیرہ احمد کو نمایاں مقام حاصل ہے ان کے مقبول عام ماخوذ اور دوسرے ڈراموں میں زندگی گلزار ہے، کنکر، دوراہا، شہر ذات، الف من و صلویٰ، ڈائجسٹ رائیٹر اور صنفِ آہن وغیرہ شامل ہیں۔ فرحت اشتیاق کے اہم ٹی وی ڈراموں میں ہمسفر، متاعِ جاں ہے تو، رہائی، مرے ہمدم مرے دوست، دیارِ دل، بن روئے، اوریہ دل مرا شامل ہیں۔ ہاشم ندیم پاکستان کے واحد اردو ناول و ڈراما نگار ہیں جنھیں خواتین ناول نگاروں کے برابر مقبولیت حاصل ہے ان کے مقبول ترین ڈراموں میں خدا اور محبت، عبداللہ، وصال اور پری زاد شامل ہیں۔ عصرِ حاضر کے دیگر مقبول عام ڈراما نگاروں میں خلیل الرحمٰن قمر کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے ڈرامے میرے پاس تم ہو نے بے پناہ شہرت حاصل کی اس ڈرامے کی آخری قسط سنیما میں دکھائی گئی، یہ ٹی وی ڈراما کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ تھا، اس کے بعد ہاشم ندیم کے ڈرامے پری زاد کی آخری قسط بھی سنیما کی زینت بنی۔

سائنس کی ترقی میں کمپیوٹر ایک ایسی انقلابی ایجاد تھی جس نے انسانی زندگی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا، کمپیوٹر سائنس نے علوم وفنون کی نشرو اشاعت کے حوالے ایسی آسانیاں پیدا کر دیں جس کا ماضی میں کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بیسویں صدی کے آخری عشرے میں پاک و ہند میں عوامی سطح پر کمپیوٹر ٹیکنالوجی متعارف کرائی گئی۔ ابتداء میں اردو زبان کے رسم الخط اور اس کے ابلاغ کے حوالے سے کئی دشواریوں کا سامنا تھا لیکن رفتہ رفتہ اردو زبان کی ٹائپنگ کو یونی کوڈز کے ذریعے سے بہتر بنایا گیا اور کمپیوٹر میں اس کی ٹائپنگ اور پرنٹر کے ذریعے سے اس کی چھپائی کا کام آسان ہو گیا۔ اکیسویں صدی میں انٹرنیٹ تک عام آدمی کی رسائی اور موبائل فون کی دستیابی اور ترقی نے کمپیوٹر سائنس کی دنیا میں مزید انقلابات کا آغاز کر دیا۔ جدید کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے لیس جدید موبائل فون نے تفریح، صنعت و حرفت اور حصولِ علم و فن کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ انٹرنیٹ کی دنیا میں تفریح کے ساتھ ساتھ مذہب، سائنس، تاریخ، جغرافیہ اور دیگر علوم سے متعلق معلومات کا بیش بہا ذخیرہ اکٹھا ہونے لگا اور اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہی چلا جا رہا ہے۔ دیگر علوم وفنون کی طرح اردو زبان و ادب کی ترقی میں بھی کمپیوٹر، موبائل اور انٹرنیٹ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ آج انٹرنیٹ پر اردو زبان و ادب کے حوالے سے تحریری، سمعی و بصری مواد کے وسیع ذخائر موجود ہیں جن تک ہر خاص و عام آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ ای اخبارات، رسائل، میگزینز، لائبریریاں، سمعی و بصری چینلز، گروپس، پیجز اور دیگر فورمز اردو زبان و ادب کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔

آن لائن اخبارات و رسائل کی دو قسمیں ہیں ایک ایسے اخبارات و رسائل جو کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور ان کو اسکین کر کے متعلقہ ویب سائٹس پر لوڈ کر دیا جاتا ہے۔ گویا کاغذ پر شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کا ای ورژن ہوتا ہے۔ دوسری قسم ایسے آن لائن اخبارات و رسائل کی ہے جو صرف انٹرنیٹ پر ہی موجود ہیں ان کی کوئی ہارڈ کاپی نہیں شائع کی جاتی۔ پاک و ہند میں کاغذ پر شائع ہونے والے اکثر ادبی رسائل آن لائن ہو چکے ہیں جنھیں ان رسائل کی ویب سائٹس سے ڈاؤنلوڈ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خالص آن لائن رسائل بھی نیٹ پر دستیاب ہیں۔ انٹرنیٹ پر بہت سی آن لائن لائبریریاں بھی موجود ہیں جن میں سے بعض آن لائن مطالعے کے ساتھ ساتھ ڈاؤنلوڈنگ کی سہولت بھی مہیا کر رہی ہیں اور بعض میں صرف آن لائن مطالعے کی سہولت موجود ہے۔ پاک و ہند کی اکثر جامعات کی لائبریریوں کے کیٹالاگ بھی آن لائن دستیاب ہیں۔ پاکستان میں ایچ ای سی کی ویب سائٹ پر مقالہ جات کی ڈاؤنلوڈنگ کی سہولت بھی مہیا کر دی گئی ہے جو خوش آئند بات ہے۔

انٹرنیٹ پر مقبولِ عام اردو ادب کے حوالے سے بہت سی ویب سائٹس اور لائبریریاں اہم خدمات سر انجام دے رہی ہیں جہاں مقبول عام اردو ادب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کے کثیر ادبی سرمائے کو محفوظ بھی بنایا جا رہا ہے۔ ایسی سائٹس میں مقبولِ عام ادیبوں کی تصانیف کے عکس کے ساتھ ان کا تعارف بھی پیش کیا جاتا ہے اور قارئین کے لیے کتاب یا ادیب پر تبصرے یا اپنی آرا پیش کرنے کی سہولت بھی فراہم کی جاتی ہے۔ بعض مقبول عام مصنفین جیسے ابنِ صفی اور اکرم الہ آبادی وغیرہ کے نام سے الگ ویب سائٹس بھی بنائی گئی ہیں جن میں ان لکھاریوں کی تصانیف کی تفصیلات اور ان کا تعارف بھی ملتا ہے۔

ریختہ ڈاٹ آرگ ایک مقبول عام اردو ویب سائٹ ہے۔ ریختہ فاؤنڈیشن کے بانی سنجیو صراف ایک معروف صنعت کار ہیں جن کا تعلق انڈیا سے ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے تحریک پا کر اردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے ۱۱ جنوری ۲۰۱۳ء کو انڈیا ہیبی ٹیٹ سینٹر میں ریختہ کی ویب سائٹ کی بنیاد رکھی۔ ابتدائی طور پر اس سائٹ میں ساڑھے تین سو شاعروں کی غزلوں اور گیارہ ای کتابوں اپ لوڈ کیا گیا پھر سنجیو صراف نے اردو زبان و ادب کے قدیم و جدید سرمایہ کو اس سائٹ میں محفوظ کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے تحت پاک و ہند کے مقبول و معروف شاعروں اور ادیبوں کی ہزاروں کتابوں کو ای فارمیٹ میں اسکین کر کے ریختہ کی لائبریری کا حصہ بنایا گیا۔ اس ویب سائٹ میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

شامل کتابوں کی اپ لوڈنگ کے لیے مصنفین سے باقاعدہ قانونی اجازت حاصل کی جاتی ہے اور ایسی کُتب بھی اس میں شامل ہیں جو کاپی رائٹ کے مسائل سے باہر ہیں۔ یہ ویب سائٹ تین زبانوں اردو ہندی اور انگریزی میں ادبی مواد فراہم کرتی ہے اس کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو مواد کی سہولیات بھی اس میں دستیاب ہیں۔ اس ادارے کے بانی پاک وہند کی جامعاتی اور اداری جاتی لائبریریوں کو بھی ریختہ کے ساتھ لنک کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اور اگر ایسا ممکن ہوا تو اردو زبان و ادب کے اہم ماخذات تک عام قارئین کی براہ راست رسائی نہایت آسان ہو جائے گی۔

ریختہ کی لائبریری میں تحقیقی و تنقیدی کتب، مضامین رسائل اور کلاسیکی مقبول عام ادب کے نادر نسخوں کے علاوہ جدید دور کے مقبولِ عام ادیبوں اور شاعروں کی کتابیں بھی بڑی تعداد میں شامل کی جارہی ہیں۔ ظفر عمر، تیرتھ رام فیروزپوری، منشی فیاض علی، اے آر خاتون، ساغر صدیقی، جون ایلیا، زُلیخا حسین، اکرم الہ آبادی، ابن صفی اور دیگر مقبول عام ادیبوں کی نگارشات کے ساتھ ان کی پروفائلز بھی بنائی گئی ہیں جن میں ادیبوں کا تعارف دیا جاتا ہے۔ کتاب کے ساتھ کتاب کا تعارف عکس کی معلومات اور سنِ اشاعت وغیرہ بھی دیے جاتے ہیں۔ بہت سی کتابوں کی فہرست الگ سے فراہم کی گئی ہے جس سے قاری کو براہ راست مطلوبہ صفحے تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ریختہ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام عالمی اردو مشاعروں، مذاکروں اور موسیقی اور تہذیبی و ثقافتی محفلوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اردو مشاعروں میں پاک وہند سے عصرِ حاضر کے مقبولِ عام شاعر شرکت کرتے ہیں۔ یہ فاؤنڈیشن اردو کے شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں بھی سرگرمِ عمل ہے جہاں نئے لکھنے والوں کی پذیرائی کی جاتی ہے۔

انٹرنیٹ آرکائیو بھی ایک اہم ویب سائٹ ہے۔ ایک امریکی لائبریرئن اور قانون دان بریوسٹر کالے (Brewster Kahle) نے ۱۰ مئی ۱۹۹۶ء کو اس ڈیجیٹل لائبیری کی بنیاد رکھی۔ اس کا ہیڈ کوارٹر رچمنڈ ڈسٹرکٹ سان فرانسسکو، کیلیفورنیا (Richmond District San Francisco, California) میں قائم کیا گیا ہے۔ اس لائبریری کو دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں کے ساتھ لنک کیا گیا ہے۔ جس میں مختلف موضوعات سے متعلق لاکھوں کی تعداد میں کتابیں آن لائن مطالعے اور ڈاؤن لوڈنگ کے لیے دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ اس لائبریری میں سمعی و بصری مواد کا بھی بڑا ذخیرہ اکھٹا کیا گیا ہے۔ یہاں کتابیں عطیہ کرنے کا آپشن بھی موجود ہے اس لیے دنیا بھر سے قارئین کتابیں اس لائبریری میں اپ لوڈ کرتے رہتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں اس میں سرچ کے لیے "وے بیک مشین" شامل کی گئی ہے جس سے دوسری ویب سائٹس کے مواد، کُتب وغیرہ کی تلاش میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لائبریری میں مقبولِ عام اردو ادب پر مبنی ہزاروں نادر و نایاب کتابیں موجود ہیں اس کے علاوہ اردو ڈائجسٹوں اور دیگر رسائل کا بھی بڑا ذخیرہ اس لائبریری میں موجود ہے۔ کتابوں کو عنوان اور مصنف کے نام سے اردو یا انگریزی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ڈاؤن لوڈنگ کے لیے پی ڈی ایف کے علاوہ دیگر فارمیٹ بھی دستیاب ہیں۔ جو کتابیں ڈاؤن لوڈنگ کے لیے دستیاب نہیں انہیں کچھ وقت کے لیے بورور ادھار کرکے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک غیر نفع بخش ادارہ ہے اس لیے مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قارئین اور صاحبِ حیثیت لوگوں سے مالی تعاون بھی حاصل کیا جاتا ہے۔

اردو کی مقبول ترین ناول اور ڈرامانگار عمیرہ احمد نے الف کتاب کے نام سے ایک اہم سائبر ادبی فورم قائم کیا ہے جس میں مقبولِ عام اردو ادب کی اہم کتابوں کی آن لائن دستیابی کے ساتھ کمرشل رائٹرز کے لیے اپنی تحریروں کی اشاعت کی سہولیات بھی مہیا کی جارہی ہیں۔ اس ویب سائٹ کے مختلف گوشوں میں الف کتاب (معروف علمی و ادبی شخصیات کا تعارف اور شعر و شاعری)، الف کہانی (ناول، ناولٹ، افسانے اور کہانیاں)، الف نگر (بچوں کا رسالہ)، اور شاہین سیریز اور انسپکٹر جمشید سیریز وغیرہ شامل ہیں اس کے علاوہ الف پبلکیشنز کے تحت نئے لکھاریوں کی ادبی تحریریں اور کتابیں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ اس فورم میں کمرشل لکھنے والوں کو ٹی وی ڈراما اسٹوری اور اسکرپٹ رائٹنگ وغیرہ کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ یہ ادارہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید وسعت اور بہتری کی امید کی جا سکتی ہے۔

اکرم الہ آبادی کے نام پر ان کے اہلِ خانہ نے ایک ویب سائٹ (اکرم الہ آبادی ڈاٹ کام) بنائی ہے جس میں ان کا مختصر تعارف اور تصانیف کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس ویب سائٹ میں اکرم الہ آبادی کے ۸۴ ناول پی ڈی ایف فارمیٹ میں دیے گئے ہیں جن میں جاسوسی، سائنسی، ہیبت ناک اور چند ایک معاشری ناول شامل ہیں۔ گیلری میں اکرم الہ آبادی کی ذاتی زندگی سے متعلق تصاویر اور ان کی تصانیف کے سرورق بھی موجود ہیں۔ اس ویب سائٹ کے لیے مواد کی جمع آوری میں فرحت چھاگلہ، محمد حنیف، فاروق احمد، راشد اشرف اور نذاکت علی کا تعاون حاصل رہا۔

ابنِ صفی کے ایک مداح محمد حنیف نے (ابنِ صفی ڈاٹ انفو) بنائی ہے کے نام سے ایک ویب سائٹ بنائی ہے۔ اس ویب سائٹ میں ابن صفی کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات کے حوالے سے نہایت اہم تحریری، سمعی و بصری مواد اکھٹا کیا گیا ہے۔ عمران سیریز اور جاسوسی دنیا کی مکمل فہارس کے علاوہ تراجم اور دیگر تصانیف کی تفصیلات بھی

دی گئی ہیں۔ ابنِ صفی کے تحریر کردہ مضامین کو بھی آن لائن مطالعہ کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن صفی کے یادگار سمعی انٹرویوز اور ریکارڈز بھی اس سائٹ کا حصہ ہیں۔ ابنِ صفی پر بننے والی ڈاکیومینٹریز اور پروگراموں پر مبنی مواد بھی یہاں ملتا ہے۔ اس سے قبل ابنِ صفی کے فرزند احمد صفی نے ۱۹۹۷ء میں ایک ویب سائٹ ابنِ صفی ڈاٹ کام بنائی تھی جس کے مواد سے محمد حنیف نے استفادہ کیا ہے۔

مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ بھی بہت سی ایسی ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز ہیں جن میں مقبول عام اردو ادب کے حوالے سے مباحث و مضامین اور تخلیقی و تحقیقی کتابیں بھی دستیاب ہیں۔

حواشی

۱۔ مسعود حسین رضوی ادیب، لکھنو کا عوامی اسٹیج، طبع دوم، نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۸ء، ص ۱۱

۲۔ میر امن دہلوی، باغ و بہار، مرتبہ، مرزا حامد بیگ، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۲۔۱۳۳

۳۔ کلیم الدین احمد، فنِ داستان گوئی، ادارۂ فروغِ اردو لکھنؤ، ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۳۔۱۰۴

۴۔ علی جواد زیدی، تاریخِ مشاعرہ، مرتبہ، ناصر علی جواد زیدی، شانِ ہند پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۸۷

۵۔ قمر رئیس، پروفیسر، اردو میں لوک ادب، سیمانت پرکاش، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء ص ۲۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۷

مآخذ

۱۔ محمد شاہد حسین، ڈاکٹر، ڈراما فن اور روایت، طبع دوم، حسین پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۲۔ ادیب، رضوی، مسعود حسین، لکھنو کا عوامی اسٹیج، طبع دوم، نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۸ء

۳۔ محمد شاہد حسین، ڈاکٹر، عوامی روایات اور اردو ڈراما، حسین پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء

۴۔ دہلوی، میر امن، باغ و بہار، مرتبہ، مرزا حامد بیگ، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء

۵۔ احمد، کلیم الدین، فنِ داستان گوئی، ادارۂ فروغِ اردو لکھنؤ، ۱۹۷۲ء

۶۔ فاختہ، خلیل خاں، میر باقر علی داستان گو، مرتبہ، سید ضمیر حسین دہلوی، سنگِ میل پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۶۶ء

۷۔ زیدی، علی جواد، تاریخِ مشاعرہ، مرتبہ، ناصر علی جواد زیدی، شانِ ہند پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۹۲ء

۸۔ نقوی، ضمیر اختر، اردو مرثیہ پاکستان میں، مطبع سید اینڈ سید، کراچی، ۱۹۸۲ء

۹۔ نیر مسعود، مرثیہ خوانی کا فن، طبع دوم، زکی سنز (آج)، کراچی، ۲۰۰۵ء

۱۰۔ قمر رئیس، پروفیسر، اردو میں لوک ادب، سیمانت پرکاش، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، تیسواں ایڈیشن، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء

۱۲۔ سلطانہ فاطمہ واحدی، ڈاکٹر، اودھ اخبار کی ادبی اور علمی خدمات، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۵ء ص ۳۲

۱۳۔ محمد عارف اقبال، اردو صحافت کے دو سو سال اور ابن صفی کی ادبی صحافتی خدمات، مشمولہ، ای رسالہ ہفت روزہ صحافت، ۱۰ اگست ۲۰۲۲ء،

۱۴۔ محمود الحسن، پاکستان کے اردو اخبارات و رسائل (کتابیات)، جلدِ اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

۱۵۔ الف انصاری، ڈاکٹر، ہندوستانی فلم کا آغاز و ارتقا، جلد اول، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۲

۱۶۔ نظام الدین احمد، اردو زبان و ادب اور ریڈیو، مکتبہ صرف، مظفر پور، ۲۰۱۳ء

۱۷۔ سیدہ نسیم سلطانہ، الیکٹرانک میڈیا میں اردو زبان و ادب کا فروغ، نوبل پبلشنگ ہاؤس، حیدر آباد، ۲۰۱۷ء

۱۸۔ افضل رحمان، مناظر (کالم)، مشمولہ، روزنامہ دنیا، اسلام آباد، ۱۰ مئی ۲۰۱۴ء

۱۹۔ کمال احمد صدیقی، ڈاکٹر، اردو: ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان، قومی کونسل برائے فروغ اردو، دلی، ۱۹۹۸ء

۲۰۔ محمد طاہر، ٹیلی ویژن کے اردو ڈرامے، پی ایچ ڈی مقالہ، نگران، ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۸۷۔۱۸۸

۲۱۔ عبدالقدوس، ڈاکٹر، کیٹلاگ: ریختہ ڈاٹ آرگ (آن لائن کتب)، ناشر ڈاکٹر عبدالقدوس، حیدرآباد، انڈیا، ۲۰۲۰ء

انٹرنیٹ

۱۔ http://timesoftaj.com/2022/01/09/qawwali-the-beginning-of-tradition-and-popularity/

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۲۔ https://dawatnews.net/urdu-sahafat-ke-200-saal/
۳۔ http://aalmiakhbar.com/archives/9060/
۴۔ https://ur.wikipedia.org
۵۔ https://www.compast.com/ibnesafi/sultanm.htm
۶۔ http://www.punjnud.com/digest-aur-darwin/
۷۔ http://urdu.arynews.tv/mairaj-rasul-death-anniversary/
۸۔ https://web.facebook.com/groups/840982173446850/search/?q=ahmed%20adil
۹۔ http://pakmag.net/film/history/pakfilms75years.php
۱۰۔ http://www.siasat.pk
پاکستانی ٹیلی ویژن ptv تاریخ کے آئینے میں از ایس رضا، ۲۸ جنوری ۲۰۱۴ء
۱۱۔ http://en.m.wikipedia.org/wiki/umera-ahmaed
۱۲۔ http://en.m.wikipedia.org/wiki/farhat-ishtiaq
۱۳۔ http://en.m.wikipedia.org/wiki/hashimnadeem
۱۴۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Internet_Archive
۱۵۔ https://alifkitab.com
۱۶۔ http://akramallahabadi.com
۱۷۔ http://www.ibnesafi.info